مولوی نذیر احمد

(1912 ـ 1836)

نذیر احمد بجنور کے ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ علم کا شوق انھیں بچپن میں دلّی لے آیا۔ یہاں انھوں نے عربی فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ 1857 کے بعد نذیر احمد کی تقدیر کا ستارہ اور بھی چمکا۔ انگریزی حکومت نے انھیں حسنِ خدمت کے صلے میں اسکولوں کا ڈپٹی انسپکٹر مقرّر کر دیا۔ جب نذیر احمد کے بچّے بڑے ہوئے تو ان کی تعلیم کے لیے انھوں نے بعض انگریزی ناولوں کے خیالات اور پلاٹ کو اپنے رنگ میں ڈھال کر کچھ قصّے لکھے ـــــ ان میں سب سے پہلی کتاب "مرأۃ العروس" (1869) ہے۔ ان کتابوں سے اردو میں ناول کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

نذیر احمد نے دُنیاوی ترقّی کی منزلیں جلد جلد طے کیں۔ 1877 میں جب وہ ڈپٹی کلکٹر تھے تو ان کو نظام حیدر آباد نے بہت بڑی تنخواہ پر اپنے یہاں مقرّر کر لیا۔ زندگی کے آخری دن انھوں نے دلّی میں بڑے آرام سے گزارے۔

نذیر احمد کو دلّی کی زبان پر غیر معمولی قدرت تھی۔ ان کے ناولوں میں اردو کا وہ رنگ روپ نظر آتا ہے جو آگے چل کر واقعہ نگاری کی بنیاد بنا، یعنی وہ اپنے کرداروں کے مزاج اور مرتبے کے اعتبار سے زبان استعمال کرتے

ہیں۔ جب وہ کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو عام طور پر ان کی زبان غیر پیچیدہ اور رواں ہوتی ہے، جملے چھوٹے ہوتے ہیں اور بات جلد جلد آگے بڑھتی ہے۔

نذیر احمد کے ناولوں نے مسلمانوں میں خاص طور پر اور ہندوستانیوں میں عام طور پر بدلتی ہوئی زندگی کے مسائل پر سوچنے کا رجحان پیدا کیا۔

جو اقتباس ہمارے سامنے ہے وہ نذیر احمد کے سب سے مشہور ناول "توبۃُ النّصوح" (1874) سے لیا گیا ہے۔ نصوح ایک خوش حال، عزّت دار لیکن دنیا پرست شخص ہے۔ اچانک بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ نصوح صحیح معنی میں خدا پرست ہوجاتا ہے۔ نصوح ایک ایک کرکے اپنی بیوی اور تمام اولادوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ بڑے بیٹے کلیم اور بڑی بیٹی نعیمہ کی اصلاح سب سے زیادہ مشکل ثابت ہوتی ہے۔

فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

نعیمہ اُس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی، پانچ مہینے کا پہلوٹھی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی، نانی کی چہیتی، ماں کی لاڈو، مزاج کچھ تو قدرتی تیز، ماں باپ کے لاڈ پیار سے وہی کہاوت ہے: کریلا اور نیم چڑھا، اور بھی چڑچڑا ہوگیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں گزر ہونے لگا تھا۔ گھونگھٹ کے ساتھ مُنھ کُھلا اور مُنھ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہوگیا۔ اب چھ مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر رسّی جلی، پر بَل نہ گیا۔ باوجودیکہ اُجڑی ہوئی میکے میں پڑی تھی، مزاج میں وہی طنطنہ تھا۔ کُنوار پَنے میں سَواگز کی زبان تھی۔ کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا، سو بیاہے سے ان کو بھی دھتکار بتائی۔ بیٹا جَنے پیچھے تو اور بھی کُھل کھیلی، مردوں تک کا لحاظ اٹھا دیا۔

فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیٹیوں کا بیڑا اٹھاتے تو اٹھا لیا تھا، لیکن نعیمہ کے تصوّر سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو ہو جاتے تھے اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی میں اس بھڑوں کے چھتّے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گی۔ سو سو منصوبے ذہن میں باندھتی تھی، مگر نعیمہ کی شکل نظر

پڑی اور سب غلط ہو گئے۔ ماں تو موقع اور محل ہی سوچتی رہی۔ نعیمہ نے خود ہی ابتدا کی۔ بڑے سویرے بچّہ حمیدہ کو دے کر خود ہاتھ مُنھ دھونے میں مصروف ہوئی۔ جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت نکلا جاتا ہے، بچّے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ بچّہ کَس اُکھل کُھری ماں کا تھا۔ بٹھلانا تھا کہ بلبلا اُٹھا۔ آواز سن کر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ بچّہ اکیلا پڑا رو رہا ہے اور حمیدہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ دور سے دوڑ پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دوہتھڑ ماری کہ حمیدہ رکوع سے پہلے سجدے میں جا گری۔ اس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے دوسرے قطعے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی تو دیکھا کہ حمیدہ چبوترے پر پانی کا لوٹا لیے ہوئے سر جُھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے خون کی تُلّی جاری ہے۔ گھبرا کر پوچھا کہ ابھی تو میں تم کو نماز پڑھتی چھوڑ گئی تھی، اتنی ہی دیر میں یہ ہوا، تو کیا ہوا۔ دیکھوں، کہیں نکسیر تو نہیں پھوٹی!

حمیدہ بے چاری نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا تھا کہ نعیمہ خود بول اٹھی کہ اے بی، ہُوا کیا! ذرا کی ذرا، لڑکے کو دے کر، میں منھ دھونے چلی گئی۔ اِس نکمّی سے اتنا نہ ہو سکا کہ ذرا لڑکے کو لیے رہے۔ آخر میں کہیں کنوئیں میں گرنے تو نہیں چلی گئی تھی۔ لڑکے کو بلکتا ہوا لِٹا، نیّت باندھ نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ میں جو آئی، تو ذرا ہَولے سے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ آپ دھڑام سے گر پڑی۔ کہیں تخت کی کیل لگ لگا گئی ہوگی۔

ماں: اچھا تم نے ہولے سے ہاتھ رکھا تھا کہ نگوڑی لڑکی کے فَصد کے برابر خون نکلا۔ کیسے دنیا میں لہو سفید ہو گئے ہیں!

نعیمہ: لہو سفید نہ ہو گئے ہوتے، تو کیا یوں بھانجے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی!

ماں: لیکن اس نے بے سبب نہیں چھوڑا، اس کی نماز چلی جا رہی تھی۔

نعیمہ: بَلا سے، صَدقے سے، نماز کو جانے دیا ہوتا۔ نماز پیاری تھی، یا بھانجا؟

ماں: لڑکی! ڈر خدا کے غضب سے! کیا کُفر بک رہی ہے؟ اس حالت کو تو پہنچ چکی اور پھر بھی تو درست نہ ہوئی۔

نعیمہ: خدا نہ کرے میری کون سی حالت تم نے بُری دیکھی؟

ماں: اس سے بدتر حالت اور کیا ہوگی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔

نعیمہ: وہ جنم جلا گھر ہی ایسا دیکھ کر دیا ہو، تو کوئی کیا کرے؟

ماں: ہاں، بیٹی! سچ ہے۔ میں تو تیری ایسی ہی دشمن تھی۔ مائیں بیٹیوں کو اسی واسطے بیاہا کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اُجڑی ہوئی اُن کے گھر گُھٹنے لگی بیٹھی رہیں۔

نعیمہ: کیا جانیں، ہم کو تو آنکھ میچ کر کُنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا۔ سو پڑے ڈبکیاں کھا رہے ہیں۔

ماں: خیر بیٹی! اللہ رکھے تمھارے آگے بھی اولاد ہے۔ اب تم سمجھ بوجھ کر اُن کی شادی کرنا۔

نعیمہ: کریں ہی گے، نہ کریں گے، تو کیا تمھارے بھروسے بیٹھے رہیں گے!

ماں: میں کیا کہتی ہوں کہ میرے بھروسے بیٹھی رہنا۔ بڑا بھروسا خدا کا۔

نعیمہ: کیسا خدا! بھروسا اپنے دم قدم کا۔

ماں: یہ دوسری دفعہ ہے کہ خدا کی شان میں بے ادبی کر چکی ہے۔ اب کی تو نے اس طرح کی بات منھ سے نکالی، اور بے تامّل میں تڑاقے سے طمانچہ تیرے منھ پر کھینچ ماروں گی۔

نعیمہ : سچ کہنا۔ بڑی بے چاری مارنے والیں، مارو اپنی چہیتی کو، مارو اپنی لاڈو کو۔

ماں : کیسی چہیتی، کیسی لاڈو! قربان کی تھی وہ اولاد، جو خدا کو نہ مانے۔

نعیمہ : یہ کب سے ؟

ماں : جب سے خدا نے ہدایت دی۔

نعیمہ : چلو، خیر جب ہم بھی تمھاری عمر کو پہنچیں گے، تو بہتیرا خدا کا ادب کرلیں گے۔

ماں : آپ کو خیر سے غیب دانی میں بھی دخل ہے کہ بارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے۔

نعیمہ : اب تم میرے مرنے کی فال نکالو۔

ماں : نہ کوئی کسی کی فال سے مرتا، اور نہ کوئی کسی کی فال سے جیتا ہے۔ جس کی جتنی خدا نے لکھ دی۔

نعیمہ : ورنہ تم مجھ کو کاہے کو جینے دیتیں ؟

ماں : اتنا ہی اختیار رکھتی ہوتی تو تجھ کو آدمی ہی نہ بنالیتی۔

نعیمہ : نوج۔ تو کیا میں حیوان ہوں ؟

ماں : جو خدا کو نہیں جانتا، وہ حیوانوں سے بدتر ہے۔

نعیمہ : اب تو ایک حمیدہ تمھارے نزدیک انسان ہے۔ باقی سب گدھے ہیں؟

ماں : حمیدہ کا تجھ کو کیا جلاپا پڑگیا۔ تو اس کی جوتی کی برابری تو کرلے۔

نعیمہ : خدا کی شان! یہ اُٹھک بیٹھک کرلینے سے حمیدہ کو ایسے بھاگ لگ گئے۔

فہمیدہ دو مرتبہ بیٹی کو منع کرہی چکی تھی اور سمجھادیا تھا کہ اگر پھر دین کی باتوں میں بے ادبانہ کلام کرے گی تو میں بے تامّل منھ پر طمانچہ کھینچ ماروں گی۔ اس مرتبہ جو نعیمہ نے نماز کو اُٹھک بیٹھک کہا، تو حرارتِ دینداری نے فہمیدہ کو بے اختیار کیا اور اس نے واقع میں جیسا کہا تھا، نعیمہ کے منھ پر ایک طمانچہ ایسے زور

سے مارا کہ منھ ہی تو پھر گیا۔ طمانچے کا لگنا تھا کہ نعیمہ نے ایک آفت توڑ ماری۔ سب سے پہلے تو اس نے دے دُھواں دُھوں، دے دُھواں دُھوں اپنے بے زبان معصوم بچّے کو پیٹ ڈالا۔ اگر لوگ اس کی گود سے بچّے کو نہ چھین لیں تو وہ لڑکے کا خون ہی کرچکی تھی۔ اس کے بعد تو اس نے عجب عجب فیل مچائے۔ گھنٹوں تک تو پٹخنیاں کھایا کی۔ کپڑوں کا ایک تار باقی نہ رکھا۔ نہیں معلوم، اس کا سر تھا یا لوہے کا گولہ تھا کہ ہزاروں تو دو ہتّھڑیں اس پر پڑیں۔ آدھے سے زیادہ بال کھسوٹ ڈالے، سیکڑوں ٹکّریں دیواروں میں ماریں۔ حیرت ہے کہ وہ سر بچا تو کیونکر بچا! اس کے پاکھنڈ دیکھ کر سارا گھر تھرّا اٹھا۔

معنی اور اشارے

اکھل کُھری / کُھرا = رُوکھا، وہ شخص جو ہلنسار نہ ہو۔

فصد = پرانے زمانے میں یہ خیال تھا کہ بہت سی بیماریاں خون کے خراب ہوجانے سے پیدا ہوتی ہیں، اس لیے علاج کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جسم کی بعض بعض رگوں میں شگاف دے کر خاصی مقدار میں خون نکال دیتے تھے۔ اس شگاف کو حکیموں کی زبان میں "فصد" کہتے ہیں۔ اسی لیے فصد لینا، فصد لگوانا، فصد کھولنا وغیرہ بھی بولے جاتے ہیں۔

خیر سے = یہاں یہ فقرہ طنز کے لیے آیا ہے۔
بارے = خیر، کسی طرح، یہ لفظ طنز یا اطمینان ظاہر کرنے کے لیے بولتے ہیں۔
فیل مچانا = ڈھونگ رچانا
پاکھنڈ = مکر و فریب

غور کرنے کی بات

اس سبق میں ایسے محاورے اور فقرے کثرت سے آئے ہیں جنھیں عام طور پر عورتیں ہی بولتی ہیں۔ مثلاً: بیٹا جنے پیچھے، دو ہتھڑ ماری، ہولے سے، نگوڑی، جنم جلا گھر ـــــ اس طرح کے دس الفاظ اور فقرے چھانٹ کر کاپی میں لکھیے اور بتائیے کہ عورتوں کی زبان کے الفاظ کی اتنی کثرت نذیر احمد نے کیوں روا رکھی ہے؟

"اکھل کھُری/ کھُرا" کو آج کل "اکل کھُری/ کھُرا" بولتے ہیں۔

"بٹھلانا تھا کہ بلبلا اٹھا"۔ یہاں لفظ "کہ" وہی کام دے رہا ہے جب اسے دو چیزوں کی برابری کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً یہ آدمی ہے کہ جانور۔ اس "کہ" کو "کافِ مساوات" کہتے ہیں۔

"بٹھلانا" آج کل نہیں بولتے؛ "بٹھانا" بولتے ہیں۔ اس طرح کے کچھ لفظ اور بھی ہیں مثلاً: "سِکھلانا" کے بجائے "سِکھانا"، "سُکھلانا" کے بجائے "سُکھانا"، "بتلانا" کے بجائے "بتانا"۔ اگر آپ کو ایسا کوئی لفظ معلوم ہو تو بتائیے۔

ماں بیٹی کی لڑائی پر مبنی مکالمے میں دونوں کی زبان سے چھوٹے چھوٹے مکالمے کہلائے گئے ہیں۔ اس طرح برابر کی لڑائی کا پورا رنگ آ گیا ہے۔

آخری چند جملوں میں شور یا دھما کا ظاہر کرنے والے بہت سے لفظ رکھے گئے ہیں تاکہ نعیمہ نے جو فساد مچایا ہے اس کا تاثر پوری طرح قائم ہو جائے۔

مشق اور مطالعہ

(1) فہمیدہ اور نعیمہ کے بارے میں اپنے خیالات دس جملوں میں لکھیے۔
(2) ماں بیٹی کی لڑائی کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے، لیکن زیادہ سے زیادہ ڈھائی سو لفظوں میں۔ ("کا"، "یہ"، "نہ" وغیرہ بھی شمار کیے جائیں گے۔)